پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مختلف ادوار کا ایک جائزہ

(۱۹۴۷ء-۲۰۱۶ء)

ڈاکٹر فضل ربی*

ڈاکٹر الطاف اللہ**

Abstract

A country foreign policy is not only the first line of its national defence, but it also guarantees a nation rightful place in the international community. It is always the product of interaction of many forces like historical, ideological, economic, national interests and geo-political situation that determine the country's outlook in the world affairs. Pakistan foreign policy is no exception to such stated points. The most important issues in Pakistan's foreign policy are security, political independence, territorial integrity, sovereignty and social and economic development etc. Keeping in mind these issues along with its geo-strategic position, Pakistan has formulated its foreign policy over the years, and has passed through stages during its development. In the initial years of its independence, Pakistan followed an independent policy with the objectives of friendship with all countries. Then it played an important role in the cold war politics, and also remained a strategic partner in the Afghan resistance movement. It remained the most sanctioned country in the nineteen ninety and then played a front line role in the global counter terrorism strategy. This papers deals with various phases/periods of Pakistan foreign policy since its independence.

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مطالعہ پاکستان، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (NUML)اسلام آباد۔

** ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ و ثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے خارجہ پالیسی کے رہنما اصول کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

> خارجہ پالیسی کے میدان میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ سب سے دوستی ہو اور کسی بھی ملک کے خلاف ناپسندیدہ عزائم نہ رکھے جائیں۔ ہم قومی اور بین الاقوامی معاملات میں دیانت اور اصولی طریق کار اختیار کرنے پر یقین رکھتے ہیں اور ہماری کوشش یہ ہے کہ ہماری تمام مساعی سے عالمی امن کو یقینی بنانے میں مدد ملے۔ پاکستان اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق زبوں حال اور جبر سے دوچار اقوام کی حمایت اور مدد سے کبھی گریز نہیں کرے گا۔[۱]

قائداعظم نے خارجہ پالیسی کے جو رہنما اُصول واضح کیے ہیں ان پر عمل کرنے سے پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی اقوام متحدہ کے منشور سے ہم آہنگ کرنے میں مدد ملی۔ خاص طور پر امن کی بقا، علاقائی سالمیت کا احترام، عدم مداخلت اور باہمی مسائل کو پُرامن طریقے سے حل کرنا ہماری خارجہ پالیسی کا حصہ ہونا چاہیے۔ تاہم آزادی کے بعد پاکستان کو کئی اندرونی اور بیرونی مسائل کا سامنا کرنا پڑا اور علاقائی صورت حال، پڑوسیوں سے نازک تعلقات، محل وقوع کی نوعیت اور قومی سلامتی کو لاحق خطرات سے نمٹنے کیلئے اپنی عسکری اور معاشی حالات کو مضبوط کرنا وغیرہ کے باعث پاکستان کی خارجہ پالیسی آزادی سے لیکر اب تک کئی پیچیدگیوں اور نشیب و فراز کی حامل رہی۔ اندرونی، علاقائی اور بین الاقوامی چیلنجوں کا سامنا کرتے ہوئے پاکستان کی خارجہ پالیسی وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی گئی۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مختلف ادوار کا جائزہ درجہ ذیل سطور میں کیا گیا ہے:

پہلا دور:۱۹۴۷ء-۱۹۵۳ء تمام ممالک کے ساتھ دوستی کا تجسّس

اس دور میں پاکستان کے خارجہ پالیسی تمام ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے پر معمور رہی۔ پاکستان نے دنیا کے مختلف ممالک میں اپنی سفارتی مشن بھیجے اور متعدد ممالک میں اپنے سفارتخانے کھولے۔ پاکستان بین الاقوامی تعلقات کی مد میں دوستی کرتا رہا اور ہمسایہ ممالک کے علاوہ مسلمان ممالک کے ساتھ ساتھ مغربی دنیا کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات استوار کرنا اپنا اولین فرض نبھایا۔

بھارت کے ساتھ تعلقات

آزادی کے بعد ابتدائی دور میں پاکستان اور بھارت کے درمیان مختلف قسم کے ایسے مسائل نے جنم لیا تھا جسکی وجہ سے ان میں بد اعتمادی اور دشمنی کی فضا قائم ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ ہمسایہ تعلقات استوار کرنے میں ناکام رہیں۔ ان مسائل میں زیادہ تر مسائل کا تعلق تقسیم ہند سے تھا جیسا کہ تقسیم پنجاب، ہندومسلم فسادات اور اقلیتوں کے حقوق وغیرہ۔ تاہم شاہی ریاستوں کے الحاق پر دونوں ممالک کے درمیان شدید اختلافات بڑھ گئے اور کشمیری سیکٹر میں ان کے درمیان۱۹۴۷ء-۴۸ میں جنگ بھی ہوئی۔

حکمران کانگریسی پارٹی سمیت بھارت کے متعدد سیاسی رہنماؤں نے پاکستان کے خلاف بیانات دیئے۔ پاکستان کو ایک آزاد اور خود مختار ملک ماننے سے انکار کیا اور بھارت میں دوبارہ شامل کرنے کا انتباہ بھی کیا اس طرح۵۱ء-۱۹۵۰ء میں بھارت نے پنجاب کے سرحد پر اپنے افواج جمع کیں جس سے پاکستانی رہنماؤں میں خوف و حراس پھیل گیا۔ تاہم مسلح تصادم سے دونوں ممالک بچ گئے۔ بھارتی رویے کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستانی قیادت نے اپنی خصوصی توجہ مسلح افواج کی تنظیم نو پر مرکوز کیا۔ بیرونی ممالک سے فوجی ساز و سامان اور اسلحہ خریدا۔ برطانوی فوجی ارباب اختیار کی خدمات حاصل کئے اور اپنے فوجی افسران کو تربیت کیلئے برطانیہ اور دیگر دولت مشترکہ کے ممالک بھیجا۔[۲]

مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات

شروع ہی سے پاکستان نے اپنے خارجہ پالیسی میں مسلمان ممالک کے ساتھ تعلقات کو کافی اہمیت دی۔ اس نے فعال طور پر دنیا بھر کے مسلمانوں کی ترجمانی کی اورمسلم ممالک کے درمیان ہم آہنگی اور تعاون کو فروغ دینے پر زور دیا۔ پاکستان نے تمام مسلمان ممالک کی نمائندگی کیلئے ایک بین الاقوامی تنظیم کے قیام پر زور بھی دیا۔ مگر مسلمان ممالک نے کوئی دلچسپی ظاہرنہیں کی اور پاکستانی قیادت کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تاہم پاکستان نے ایران، ترکی اور سعودی عرب کے ساتھ خوشگوار تعلقات استوار کئے جبکہ دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات معمول کے مطابق رہیں۔

افغانستان کے ساتھ تعلقات

پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعلقات ابتداء سے ہی انتہائی کشیدہ رہے۔ حکومت افغانستان نے صوبہ سرحد سمیت بلوچستان میں پاکستانی حاکمیت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ افغانستان نے صوبہ سرحد میں رہنے والے پشتونوں کیلئے حق خود ارادیت کامطالبہ کیا اور صوبہ سرحد، بلوچستان اور افغانستان کے کچھ علاقوں پر مشتمل ایک علیحدہ ریاست کے قیام کے دعوے کیے۔ پاکستان کا امریکی دفاعی معاہدوں میں شمولیت کے ردِعمل میں سوویت یونین اور بھارت نے بھی افغانستان کے دعووں کی توثیق کی۔ اپنی مغربی اور مشرقی سرحدوں پر ممکنہ خطرات سے نمٹنے کیلئے پاکستان نے اپنی افواج کو مضبوط اور مسلح کرنے کی کوششیں شروع کی۔

امریکہ اور سوویت یونین سے تعلقات

ابتداء میں پاکستان نے ایک آزاد خارجہ پالیسی کو اپنایا اور دنیا بھر کے ممالک بشمول امریکہ، سوویت یونین اور چین کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی خواہش کی۔ امریکہ نے پاکستان کی آزادی کاخیر مقدم کیا اور فروری۱۹۴۸ء میں پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کیے۔ تاہم پاکستان اور سوویت یونین کے درمیان سفارتی تعلقات تاخیر سے شروع ہوئے۔ حالانکہ دونوں ممالک نے اپریل۱۹۴۸ء میں سفارتی تعلقات قائم کرنے پر اتفاق کیا تھا۔ تاہم دسمبر۱۹۴۹ء میں پاکستان نے اپنا سفیر ماسکو بھیجا اور مارچ۱۹۵۰ء میں سوویت یونین کا سفیر کراچی پہنچا۔ سوویت یونین نے جون۱۹۴۹ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو سرکاری دورے کی دعوت دی جسکو قبول تو کر لیا لیکن مختلف وجوہات کے بناء پر یہ دورہ نہ ہو سکا۔ جس پر سوویت یونین کے رہنما پاکستان سے ناراض ہوئے۔ اسکے برعکس لیاقت علی خان نے ۱۹۵۰ء میں امریکہ کا دورہ کیا اور اپنی تقاریر اور بیانات میں پاکستانی حکومت کے حامی مغرب کے نظریات کو اُجاگر کیا۔ پاکستان پہلا اسلامی ملک تھا جس نے جنوری ۱۹۵۰ء میں عوامی جمہوریہ چین کو تسلیم کیا۔ دونوں ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات ۱۹۵۱ء میں شروع ہوئے۔ چین اور پاکستان کے سفیروں نے بالترتیب ستمبر اور نومبر1951 میں اپنے اختیارات سنبھالے۔[۳]

دوسرا دور:۱۹۵۴ء-۶۲ امریکہ اور مغربی ممالک کا اتحادی

اس دور میں پاکستان کی ایک آزاد خارجہ پالیسی، امریکہ کے اتحادی بننے میں منتقل ہوئی۔ پاکستان نے فوجی اور اقتصادی امداد حاصل کرنے کی غرض سے امریکہ کیساتھ متحدہ سکیورٹی انتظامات کے تحت متعدد معاہدوں میں شمولیت اختیار کی اور اسی طرح پالیسی بنانے والے رہنماؤں نے پاکستان کو امریکہ اور سوویت یونین کے مابین سرد جنگ میں اسے اُلجھایا۔

علاقائی تناظر میں عدم تحفظ کے شدید احساس بھارت کے ساتھ بڑھتے ہوئے کشیدہ تعلقات، مسئلہ کشمیر پر جنگی صورت حال سے نمٹنے کیلئے اپنے دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط کرنا، افغانستان کا پاکستان کے خلاف پروپیگنڈے کی روک تھام، بیرونی تجارت میں بڑھتا ہوا خسارہ اور اقتصادی بحران پر قابو پانے اور دنیا میں تنہائی کے احساس سے دوچار ہونا، چند ایسی بڑی وجوہات تھیں جسکی وجہ سے پاکستان امریکہ اور مغربی ممالک کا اتحادی بنا۔

کمیونزم کی روک تھام کیلئے امریکہ اوراسکے مغربی اتحادی ممالک نے اپنی عالمی حکمت عملی کے تحت کمزور ممالک کو فوجی اور اقتصادی مدد کی پیشکش کی تھی۔ اس پیشکش کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستان نے اتحادی بننے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپریل1954میں پاکستان نے ترکی کے ساتھ سیاسی، معاشی اور ثقافتی شعبوں میں تعاون بڑھانے کامعاہدہ کیا۔[۴] اور اسکے بعد مئی1954ء میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان باہمی دفاعی معاونت کامعاہدہ ہوا جسکے تحت امریکہ نے پاکستان کی سالمیت کو برقرار رکھنے کیلئے اسکو فوجی ساز و سامان، اسلحہ اور تربیتی سہولیات فراہم کرنے پر اتفاق کیا۔ جبکہ پاکستان نے یہ یقین دہانی دلائی کہ امریکی امداد پاکستان کسی بھی ملک کے خلاف جارحیت میں استعمال نہیں کرے گا۔

ستمبر1954میں پاکستان نے سیٹو (CETO) میں شمولیت اختیار کی۔ جس کے رُکن ممالک (امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، فرانس، نیوزی لینڈ، فلپائن اور پاکستان) نے نہ صرف اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کیلئے باہمی تعاون کو فروغ دینے پر اتفاق کیا تھا بلکہ اس بات کا تہیہ بھی کیا کہ کسی بھی رکن ریاست کے علاقائی خطرے، یا اس پر مسلح جارحیت تمام ارکان کیلئے خطرہ تصور کیا جائے گا اور اس سے نمٹنے کیلئے اکٹھے مشورے اور ایک دوسرے کی

مدد کی جائی گی۔ تاہم امریکہ نے پاکستان کی ہر قسم جارحیت والی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے واضح کیا کہ یہ شق صرف کمیونسٹ جارحیت پر لاگو ہوتی ہے۔ ایک سال بعد ستمبر1955میں پاکستان نے بغداد معاہدے میں شمولیت اختیار کی جو عراق کے انخلاء کے بعد1959 سے سیٹو کے نام سے کہلانے لگا۔ عراق، ایران، ترکی، پاکستان اور برطانیہ وہ ممالک تھے جنھوں نے دفاع اور سلامتی کے میدان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پر اتفاق کیا تھا۔ امریکہ نے اسکے ساتھ قریبی روابط برقرار رکھے اور اس معاہدے میں حصہ لیا تاہم امریکہ نے یہ واضح کیا تھا کہ اسکی شمولیت کا مقصد صرف رکن ممالک کے دفاعی صلاحیتوں کو کمیونزم کے خلاف مضبوط کرنا تھا۔۵

اسکے علاوہ پاکستان نے مارچ 1959ء میں امریکہ کے ساتھ باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط کیا۔ جس میں امریکہ نے اس بات کا تہیہ کیا تھا کہ عالمی امن، پاکستان کی آزادی اور سالمیت کا تحفظ، امریکہ کیلئے اہم اور امریکہ پاکستان کو اپنی قومی آزادی برقرار رکھنے کیلئے فوجی اور اقتصادی امداد دینے پر آمادہ ہوا۔ 1959ء میں پاکستان نے امریکہ کو ایک مواصلاتی فضائی اڈا دس سال کیلئے(1959-69) بڈھ بیر پشاور میں فراہم کیا۔

امریکہ کا اتحادی بننے سے پاکستان پر درجہ ذیل اثرات مرتب ہوئے امریکہ نے پاکستان کے اقتصادی اور دفاعی شعبوں میں مدد کی جسکی وجہ سے پاکستان کی گرتی ہوئی معیشت کو فروغ ملا اور افواج پاکستان اس قابل ہوئی کہ اپنے ملک کا دفاع کر سکے۔ دفاعی امداد میں اسلحہ، گولہ بارود، توپ خانے، فوجی گاڑیاں، ریڈار، مواصلات کا سامان، جنگی جہاز وغیرہ شامل تھے۔ سکیورٹی انتظامات کو بہتر بنانے اور مسلح افواج کی رہنمائی کیلئے امریکہ نے پاکستان کی مدد کی فوجی افسران کو تربیت کیلئے امریکہ بھیجا گیا اور پاکستان کی افواج نے سیٹو کی مشترکہ مشقوں میں حصہ لیا۔

پاکستان کو امریکہ اور مغربی ممالک کے ساتھ اتحادی بننے کا کافی نقصان بھی اُٹھانا پڑا۔ پاکستان نے اپنی آزاد خارجی پالیسی پر سمجھوتہ کیا جس کی وجہ سے سوویت یونین اور بھارت سمیت کئی مسلم ممالک کے ساتھ پاکستان کے سفارتی تعلقات بڑی حد تک پیچیدہ

ہوئے۔ سوویت رہنماؤں نے پشتونستان کے مسئلے پر افغانستان حکومت کی حمایت کی اور مسئلہ کشمیر پر بھارت کا ساتھ دیا۔

ایران اور ترکی کے علاوہ مشرق وسطیٰ کی ریاستوں نے بھی پاکستان کا مغربی اتحادی بننے پر منفی ردعمل کا اظہار کیا۔ جسکی وجہ سے پاکستان مسلم ممالک کے ساتھ قریبی اور خوشگوار تعلقات استوار کرنے میں ناکام رہا۔

پاکستان نے ترقی پذیر ممالک میں بھی اپنی حیثیت کھوئی۔ حالانکہ 1955 میں پاکستان نے بینڈونگ کانفرنس کو منظّم کرنے میں فعال کردار ادا کیا تھا۔ تاہم جب اس کانفرنس کی وجہ سے غیر وابستہ ممالک کی تحریک نے1961 میں جنم لیا۔ تو پاکستان کو امریکی دفاعی معاہدوں کی وجہ سے اس میں شرکت کی اجازت نہ ملی۔ پاکستان نے مغربی اتحادی ہونے کے ناطے سوشلسٹ/کمیونسٹ ممالک کے ساتھ کم ترجیحی بنیادوں پر تعلقات قائم رکھے۔ چین نے پاکستان کا امریکہ کے اتحادی ہونے پر کھلی مذمت نہیں کی اور پاکستان کا ان دفاعی معاہدوں میں شامل ہونے کی وجوہات پر ایک قابل ذکر تفہیم کا مظاہرہ کیا۔[۶]

امریکہ کے ساتھ اتحادی کی حیثیت سے اپنا کردار منظّم طریقے سے ادا کرتے ہوئے پاکستان نے امریکی سکیورٹی حساسیت کا کافی خیال رکھا۔ تاہم امریکہ نے پاکستان کا بھارت کے ساتھ مسائل بمعہ کشمیر کے حل میں کوئی خاص سفارتی مدد فراہم نہیں کی۔ جسکی وجہ سے پاکستان میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے تاہم اس نے امریکہ کے ساتھ اپنا تعاون برقرار رکھا۔

تیسرا دور۱۹۶۳ء-۷۱ اتحادی/صف بندی پالیسی پر نظر ثانی

1960 کی ابتداء میں پاکستان کے پالیسی سازوں نے امریکہ کے ساتھ پاکستان کے اتحادی ہونے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ کیونکہ پاکستان کی اتحادی پالیسی نے کئی پیچیدہ مسئلے پیدا ہوئے جن کا سدِ باب ضروری تھا۔ اس ضمن میں دو اہم پیشرفت سامنے آئیں تھیں۔

پہلا: 1960 میں سوویت یونین نے ایک امریکی جاسوسی طیارے،U-2 کو اپنے فضائی حدود میں پکڑا۔ جس نے بڈھ بیر اڈے پشاور سے پرواز کی تھی۔ روس نے پاکستان کے خلاف جوابی کارروائی کی دھمکی دی تھی جس کی وجہ سے پاکستان پریشان رہا۔

دوسرا: امریکہ نے بین الاقوامی بیلسٹک میزائل بنائے جسکی وجہ سے زمینی اڈوں کی اہمیت کم ہو گئی۔۷ مزید برآں جنوری1961 میں کینیڈی انتظامیہ نے امریکہ میں اختیارات سنبھالے۔ بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو تقویت دی۔

پاکستان نے امریکی پالیسی میں اس تبدیلی پر تشویش کا اظہار کیا۔ تاہم امریکہ نے پاکستانی تحفظات کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔ علاوہ ازیں 1962 کے چین-بھارت سرحدی جنگ میں بھارت کو اسلحہ اور فوجی ساز و سامان بڑی تعداد میں فراہم کیا۔ امریکہ کے علاوہ دوسرے مغربی ممالک نے بھی بھارت کی مدد کی۔ جس پر پاکستانی رہنما بھی ایوب خان سے سخت ناراض ہوئے۔۸

امریکہ نے اس طرح کی فوجی اور اقتصادی امداد پاکستان کو بھی دی تھی لیکن پاکستان امریکہ کے ساتھ سوویت خلاف اتحادی معاہدوں میں شامل ہوا تھا اور خطے میں امریکی قومی مفادات کی پاسداری کرتا رہا۔ جبکہ بھارت کو امریکی امداد بغیر کسی شرط کے دی گئی۔

سوویت یونین کے ساتھ تعلقات کو بہتر کرنا

جنوبی ایشیاء میں بدلتے ہوئی امریکی پالیسی سے مایوس ہو کر پاکستانی رہنماؤں نے بھی اپنے خارجہ پالیسی میں تبدیلی لانے کی کوششیں کی۔ انہوں نے باہمی مفاد کی بنیادوں پر سوشلسٹ اور کمیونسٹ ممالک کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے میں پیش رفت کی۔ 1961 سے 1963 کے درمیان پاکستان نے مختلف اقدامات کے تحت چین اور سوویت یونین کے ساتھ تعلقات بڑھائے۔

1961 میں پہلی مرتبہ سوویت یونین نے پاکستان کو قرض اور تیل کی تلاش کیلئے تکنیکی مدد کی پیشکش کی۔ صدر ایوب خان اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے1965 میں ماسکو کے دورے کیے اور ساتھ ساتھ تجارت، تیل کی تلاش کیلئے مشینری اور ثقافتی تبادلے سمیت کئی معاہدوں پر دستخط کیں۔

پاکستان کے تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں سے تیس ترقیاتی منصوبوں پرعمل درآمد کیلئے سوویت یونین نے مدد کرنے کی رضامندی بھی ظاہر کی تھی 1960 کے وسط میں مسئلہ کشمیر

پر متوازن نقطہ نظر کو اپنایا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان رن آف کچ اور 1965 کی جنگ پر سوویت یونین نے غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا اور دونوں ممالک کے درمیان باہمی تعلقات کو معمول پر لانے کیلئے جنوری 1966 میں تاشقند اعلامیہ کروایا۔

تاشقند معاہدے کے بعد پاکستان اور سوویت یونین کے درمیان تعلقات کافی بہتر ہوئے اور دونوں ممالک کے سربراہوں کے علاوہ کئی اعلیٰ حکام نے ایک دوسرے کے ممالک کے دورے کیے۔ کئی معاہدوں پر دستخط کئے اور اقتصادی تعاون کے ساتھ ساتھ دفاعی میدان میں بھی تعلقات بڑھائے۔

چین کے ساتھ تعلقات کو بہتر کرنا

اس عرصے میں چین کیساتھ پاکستان کے تعلقات میں تیزی سے بہتری آئی۔ دو طرفہ تعلقات کو بہتر بنانے کیلئے 1963 میں دونوں ممالک کے درمیان کئی اہم معاہدے ہوئے۔ جس میں تجارتی و فضائی سروس کے معاہدے اور پاک چین سرحدی معاہدہ قابل ذکر ہے۔ امریکہ نے بین الاقوامی سطح پر چین کو الگ تھلگ کرنے کی کوششیں کی تاہم پاکستان نے ان کوششوں کو بے اثر کرنے کیلئے چین کی حمایت کی۔ چین نے بھی پاکستان کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کا اتنا ہی خیال رکھا اور فروری 1964 میں چینی وزیراعظم نے پاکستان کے دورے پر کشمیری عوام کی خود ارادیت کے حق کیلئے چینی حمایت کا اعلان کیا۔ 1965 کے پاک-بھارت جنگ میں چین نے پاکستان کے ساتھ یکجہتی اور1966 کے ابتداء میں پاکستان کو فوجی اسلحہ اور ساز و سامان کی فراہمی شروع کی۔

دو طرفہ تعلقات کو اہمیت دیتے ہوئے دونوں ممالک کے سربراہان اور اعلیٰ حکام کے درمیان باقاعدگی سے دورے ہوئے جس میں1965 میں صدر ایوب کا دورہ چین، جنرل یحییٰ خان کا نومبر1970 کا دورہ، چینی صدر اور وزیر خارجہ کا 1966 میں دورہ پاکستان وغیرہ شامل تھے۔ اس طرح باقاعدگی سے دونوں مُلکوں کے درمیان باہمی دلچسپی پر تبادلہ خیال اور مشورے جاری رہے۔ آنے والے سالوں میں دونوں ممالک کے درمیان تعاون کا دائرہ کار سفارتی، اقتصادی، دفاعی اور ثقافتی میدانوں میں جاری رہا۔[۹]

امریکہ کے ساتھ تعلقات محدود کرنا

پاکستان کا سوویت یونین اور چین کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوششوں پر امریکہ کو اعتراض تھا۔ خاص طور پر پاکستان اور چین کا فضائی معاہدہ امریکہ کو قابل قبول نہیں تھا اور چینی وزیراعظم کو سرکاری دورے پر بُلانے پر پاکستان کی مخالفت کی۔ تاہم پاکستان نے امریکہ کے ردِعمل کو نظر انداز کیا۔ جوابی کارروائی میں امریکہ نے ڈھاکہ میں ہوئی اڈہ کی تعمیر کیلئے عالمی امداد بند کر دی اور اپریل 1965 میں ایوب خان کے دورہ امریکہ کو ملتوی کیا۔ دونوں ممالک کے درمیان اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ پاک-بھارت جنگ میں امریکہ نے پاکستان کو کوئی امداد فراہم نہیں کی۔ بلکہ بھارت کے ساتھ پاکستان پر بھی اسلحہ کی خرید و فروخت کی پابندی عائد کی۔ جس سے پاکستانی دفاع کو شدید نقصان پہنچا۔ کیونکہ بھارت باقی ممالک سے بھی اسلحہ خرید رہا تھا جبکہ پاکستان کا پورا دارومدار امریکی دفاعی امداد پر تھا۔

مارچ 1966ء میں امریکہ نے پابندی جزوی طور پر نرم کر کے پاکستان کو غیر ملکی فوجی آلات اور سال کے بعد فالتوپرزوں کی فروخت کی اجازت دی۔ تاہم1971 میں دوسری پاک-بھارت جنگ کی وجہ سے ہتھیاروں کی فروخت پر دوبارہ پابندی عائد کی۔

پاکستان نے امریکہ کا اس طرح کا رویہ دیکھ کر برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور سوویت یونین سے اسلحہ خریدا۔ تاہم 1965 اور 1971 جنگوں کے دوران چین، پاکستان کے لئے ہتھیاروں کی فراہمی کا سب سے اہم ذریعہ رہا۔ اسکے ساتھ ساتھ پاکستان نے اپنے ہتھیار اور فوجی ساز و سامان کی پیداوار پر توجہ دینے کا فیصلہ کیا۔

بھارت کے ساتھ تعلقات

پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات انتہائی کشیدہ رہے۔ مسئلہ کشمیر ان دونوں ممالک کے تعلقات کو معمول پر لانے میں اہم رکاوٹ تھا امریکہ اور برطانیہ کی مدد سے1962-63 میں مسئلہ کشمیر اور دوسرے مسائل کو حل کرنے کیلئے دونوں ممالک کے وزرائے خارجہ کے درمیان مذاکرات ہوئے تاہم یہ مذاکرات ناکام رہے۔ کیونکہ دونوں فریقوں نے مسئلہ کشمیر پر کوئی بھی لچک دکھانے سے انکار کیا۔ اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ

دونوں ممالک کے درمیان جنگیں ہوئی۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کا مشرقی حصہ دسمبر 1971 میں جُدا ہو کر بنگلہ دیش آزاد ریاست کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔[۱۰]

چوتھا دور: غیر جانبداری اور دو طرفیت ۱۹۷۲ء-۷۹

عالمی سطح پر آزاد، غیر جانبداری اور دو طرفیت جیسی خارجہ پالیسی کی شروعات 1960 کی دہائی میں ہوئی۔ امریکہ، سوویت یونین یا چین کے مستقل اتحادی بننے کے بجائے دو طرفہ مفادات کی ہم آہنگی اس دور کی خارجہ پالیسی کے اہم اصول بنے۔ اِس خارجہ پالیسی کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ دونوں سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت پر مبنی نظاموں سے برطرفی ہو۔ بلکہ باہمی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان دونوں ممالک یعنی امریکہ اور سوویت یونین سے تعلقات یکساں بنیادوں پر قائم رکھے۔

غیر جانبداری اور دو طرفہ خارجہ پالیسی اپناتے ہوئے پاکستان نے دولت مشترکہ اور سیٹو سے بالترتیب جنوری اور نومبر1972 میں علیحدگی اختیار کی۔ پاکستان نے شمالی کوریا، ویت نام اور مشرقی جرمنی کو1972میں تسلیم کیا۔ خاص طور پر یوگو سلاویہ، رومانیہ اور دوسرے مشرقی یورپ کے ممالک کے ساتھ اقتصادی، تجارتی اور سفارتی تعلقات کو ترقی دینے پر توجہ دی۔ اسی طرح سے ایشیاء، افریقہ، جنوبی اور وسطی امریکہ میں کئی ریاستوں کے ساتھ پاکستان نے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی جن کو پاکستان کی گزشتہ حکومتوں نے نظر انداز کیا تھا۔ پاکستان نے بین الاقوامی اقتصادی نظام کی تنظیم نو کی وکالت بھی کی اور ستمبر 1979 میں اسکا باقاعدہ رکن بنا اس سے قبل مارچ 1979 میں پاکستان نے سیٹو کو چھوڑ دیا تھا۔[۱۱]

بڑی طاقتوں کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنانا

پاکستان اور چین کے درمیان دوستانہ تعلقات 1960 میں شروع ہوئے اور اس دور میں کافی مضبوط ہوئے۔ دو طرفہ تعلقات، علاقائی اور بین الاقوامی امور پر مشاورت کیلئے اعلیٰ سیاسی اور فوجی رہنماؤں نے کثرت سے ایک دوسرے ممالک کے دورے کیے۔ ان ملاقاتوں میں نہ صرف دونوں ممالک کے درمیان باہمی اتفاق رائے کو تقویت ملی بلکہ ساتھ ساتھ

پاکستان کی آزادی اور علاقائی سالمیت کیلئے چین نے اپنی حمایت کا اعادہ بھی کیا۔ اس طرح سے ایک مضبوط اور مستحکم پاکستان چین کی جنوبی ایشیائی پالیسی کا بنیادی عنصر رہا۔ چین نے پاکستان کی معاشی اور صنعتی ترقی میں اہم کردار ادا کیا اور پاکستان کیلئے ہتھیار و اسلحہ کے حصول کا ایک اہم ذریعہ بھی بنا۔ پاکستان کی دفاعی صنعت کے قیام میں چین نے مالی اور تکنیکی امداد بھی فراہم کی۔

اسی عرصے میں پاکستان اور سوویت یونین کے تعلقات میں بہتری آئی۔ چونکہ بنگلہ دیش کے بحران کے پس منظر میں پاکستان اور سوویت یونین تعلقات میں انتہائی کشیدگی آئی تھی۔ تاہم وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کوششیں کی کہ سوویت یونین کے ساتھ باہمی تعلقات کو بہتر کرے۔1972 اور1974 میں اس نے ماسکو کے دورے کیے اور سوویت رہنماؤں سے بات چیت کی۔ جسکی وجہ سے نہ صرف دونوں ممالک نے خطے کے امور پر ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھا بلکہ ساتھ ساتھ مشترکہ قومی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے دو طرفہ تجارت اور اقتصادی تعاون کو آگے بڑھایا۔

اس عرصے میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات بہتری سے بد تری کی طرف چلے گئے۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر دونوں ممالک میں شدید اختلافات اسی دور میں پیدا ہوا۔ 1971 کی پاک-بھارت جنگ کی وجہ سے امریکہ نے بھارت کے ساتھ پاکستان پر بھی ہتھیاروں کی خرید و فروخت کی پابندی لگائی تھی۔ تاہم بھٹو کے1973 اور1975 میں امریکہ کا دورے کرنے سے دونوں ممالک کے باہمی تعلقات میں بہتری آئی۔[۱۲] امریکہ نے پاکستان پر پابندیاں ختم کی اور پاکستان کو نقد پیسوں پر اسلحہ کی فروخت کی اجازت دی۔ جسکا پاکستان نے خیر مقدم کیا۔ تاہم پاکستان اور امریکہ کے درمیان جوہری پروگرام پر اس وقت اختلافات شروع ہوئے جب1976 میں پاکستان نے فرانس کے ساتھ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ حاصل کرنے کا معاہدہ کیا۔ امریکہ نے اس معاہدے کو پاکستان کی جانب سے جوہری ہتھیاروں کی صلاحیت حاصل کرنے کے اقدام کے طور پر دیکھا۔

امریکہ نے پاک-فرانس معاہدے پر ناراضگی ظاہر کی اور اسکو منسوخ کرنے کیلئے

پاکستان پر زور ڈالا۔ پاکستان کو A-7 طیاروں کی فروخت کو1977 میں واپس لیا۔ اور 1977-78 میں پاکستان کے دفاعی فروخت اور اقتصادی امداد کو معطل کیا اور1977-78 میں صدر کارٹر کے ایشیائی دورے سے پاکستان کے نام کو نکالا۔ پاکستان کے علاوہ امریکہ نے فرانس پر بھی سفارتی دباؤ ڈالا اور بالآخر 1978 میں فرانس کو اس معاہدے سے دستبرداری پر مجبور کیا۔ اس کے علاوہ پاکستان کے جوہری پروگرام کی وجہ سے1979 میں امریکہ نے پاکستان کیلئے تمام اقتصادی امداد اور جنگی سازو سامان کی فروخت معطل کی جس کی وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوئی۔1979 میں کچھ غلط فہمیوں کی بنیاد پر طالب علموں اور اشتعال پسند لوگوں نے اسلام آباد میں امریکی سفارتخانے کو جلایا۔ جسکی وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوئے اور پاک-امریکہ تعلقات انتہائی خراب ہوئے۔

1971 کی پاک-بھارت جنگ کے نتیجے میں پاکستان کا مشرقی حصہ جُدا ہو کر بنگلہ دیش کے نام سے ایک علیحدہ ملک بنا۔ اس لیے اس عرصے کی ابتداء میں پاک-بھارت تعلقات میں کشیدگی آئی۔ 1971 کی جنگ کے مسائل سے نمٹنے اور تعلقات کو معمول پر لانے کیلئے دونوں ممالک کے درمیان جولائی 1972 میں شملہ معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کے تحت دونوں ممالک نے اپنے افواج سرحدی علاقے سے واپس بُلائی، بھارت نے پاکستانی قیدیوں کو رہا کیا، بنگلہ دیش نے 195 پاکستانی جنگی قیدیوں پر مقدمہ واپس لیا اور پاکستان نے بنگلا دیش کو 1974 میں ایک علیحدہ خود مختار ریاست مان لیا۔

مندرجہ بالا مسائل کو حل کر کے پاک-بھارت تعلقات میں بہتری آئی تاہم دونوں ممالک ایک دوسرے کو اہم مخالف کے طور پر دیکھتے رہے۔ بھارت نے 1974 میں جوہری تجربہ کیا جس کی وجہ سے پاکستان کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے پاکستانی رہنماؤں نے جوہری پروگرام کی شروعات کیں۔ تا کہ خطے میں طاقت کا توازن بر قرار رہے۔ اس دور میں پاکستان اور مسلم دنیا کے درمیان تعلقات انتہائی خوشگوار رہیں۔ پاکستان نے 1974 میں لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کیا۔

جس میں کئی مسلم ممالک کے سربراہوں نے شرکت کی۔ بھٹو نے کئی اسلامی ممالک بالخصوص خلیجی ریاستوں کے دورے کیے اور سفارتی تعلقات کو مضبوط بنانے کی کوششیں کیں۔ پاکستانیوں کو مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں کام کرنے کا موقع ملا جس سے پاکستان کو کافی مالی فائدہ ہوا۔[۱۳]

پانچواں دور:۱۹۸۰ء-۱۹۹۰ء افغانستان پر سوویت قبضہ اور پاک امریکہ شراکت

اس دور میں پاکستان کی خارجہ پالیسی افغانستان سے سوویت افواج کی انخلاء، مجاہدین کی مدد اور امریکہ کے ساتھ شراکت پر مرکوز رہی۔ دسمبر 1979 میں روس نے افغانستان میں فوجی مداخلت کی۔ جس کے دور رس جغرافیائی، سیاسی اور دفاعی اثرات پاکستان پر پڑے۔ پاکستان نے اپنے ہمسایہ ملک کی خود مختاری اور آزادی برقرار رکھنے کی حمایت کی اور سوویت افواج کے حملوں کی شدید مذمت کی۔ چونکہ سوویت یونین کے ساتھ پاکستان کے تعلقات ہمیشہ سے پیچیدگیوں کے شکار رہے۔ اس لیے اپنی مغربی سرحد پر سوویت افواج کی موجودگی کو پاکستان نے اپنی سالمیت کیلئے خطرہ محسوس کیا۔ اسلیے پاکستان نے سوویت افواج کی افغانستان سے فوری انخلاء کے معاملہ میں امریکا کے ساتھ شراکت کی۔ حالات کی سنگینی کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستان نے مغربی ممالک سے مدد کی اپیل کی اور ساتھ افغان مزاحمتی گروپوں یعنی افغان مجاہدین کی حمایت کی۔

پاک امریکہ تعلقات

افغانستان جنگ کی وجہ سے پاکستان اور امریکہ کے تعلقات دوبارہ بحال ہوئے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں بہتری آئی۔ امریکہ نے افغانستان میں سوویت افواج کے خلاف جنگ میں نہ صرف پاکستان کی حمایت کی بلکہ ساتھ دفاعی اور اقتصادی امداد بھی فراہم کی۔ ۱۹۸۱ء-۸۷ کے دوران امریکہ نے پاکستان کو فوجی اور اقتصادی امداد میں تقریباً 3.2 بلین ڈالر دیئے۔ اور مزید ایک بلین ڈالر دینے کی رضامندی بھی ظاہر کی۔ پاکستان اور امریکہ کے خفیہ اداروں نے مل کر مجاہدین کو تربیت، مالی امداد اور ہتھیار دیئے۔ ساتھ ساتھ

عرب ممالک سے رضاکاروں کی حوصلہ افزائی کی کہ افغانستان میں مقیم سوویت افواج کے خلاف افغانی مزاحماتی تحریک یعنی جہاد میں شامل ہو جائیں۔ دونوں ممالک کے قریبی تعلقات کے باوجود امریکہ پاکستان کے جوہری پروگرام کا مخالف رہا تاہم پاکستان کے ساتھ تعلقات بہتر رکھنے کی خاطر اس کے جوہری پروگرام پر اعتراض نہیں کیا۔[۱۴]

چین کے ساتھ تعلقات

پاکستان اور چین کے درمیان تعلقات دِن بدن مستحکم ہوتے رہے اور مختلف شعبوں میں دونوں ممالک کے درمیان تعاون بڑھتا گیا۔ چین نے پاکستان کے ساتھ تجارت کو بڑھانے کی خاطر شاہراہ قراقرم کی توسیع میں پاکستان کی مدد کی۔ زراعت اور صنعت کے علاوہ چین نے پاکستان کی دفاع اور جوہری ٹیکنالوجی میں بھی مدد کی۔ اسی طرح بھارت کے ساتھ بات چیت میں پاکستان کی بھرپور حمایت چین نے کی اور افغانستان کے بحران پر پاکستان کے موقف کی تائید کی۔

مسلم ممالک

پاکستان نے مسلم ممالک کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھے۔ افغانستان کے مسئلے پر مسلم ممالک نے اسلامی کانفرنس تنظیم کے ذریعے پاکستانی مؤقف کی حمایت کی۔ پاکستان میں 30لاکھ سے زائد افغان مہاجرین کی مالی امداد بھی کئی مسلم ممالک نے کی۔ تجارت کے توسیع، اقتصادی اور تکنیکی تعاون کے فروغ کیلئے پاکستان نے کئی مسلم ممالک سے معاہدے کئے۔ تاہم مختلف وجوہات کے بناء پر پاکستان لیبیا، شام اور عراق جیسے ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے میں ناکام رہا۔

پاک بھارت تعلقات

پاکستان نے اپنی مغربی سرحد پر کشیدگی اور خطرات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بھارت کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنے کی پہل کی۔ پاکستان نے بھارت کے ساتھ تعلقات میں

مذاکرات کی پالیسی کو اپنایا۔ بھارت کے ساتھ کشیدگی اور اختلافی مسائل کو پاکستان نے سفارتی تعلقات کے ذریعے حل کرنے کی کوششیں کی۔ سارک فورم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں ممالک ایک دوسرے کے قریب آئے۔ وزیر اعظم راجیو گاندھی نے دسمبر 1988 میں پاکستان کا دورہ کیا۔ تاہم مذاکرات کا یہ دور زیادہ دیر تک کامیاب نہ رہا اور بہت جلد دونوں ممالک کے درمیان مسئلہ کشمیر پر ایک بار پھر شدید اختلافات نے جنم لیا۔

جنیوا معاہدہ

افغانستان کے بحران کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنا اتنا آسان نہیں تھا، کئی سالوں کی کوششوں کے بعد اپریل 1988 میں پاکستان، افغانستان، سوویت یونین اور امریکہ کے درمیان جنیوا معاہدہ ہوا۔ جس کے تحت سوویت یونین نے افغانستان سے اپنی افواج واپس بلائی۔ تاہم انخلاء کا یہ سلسلہ جو کہ مئی 1988 میں شروع ہوا تھا بالآخر فروری 1989 میں مکمل ہوا۔ اس دوران پاکستان-روس تعلقات میں کافی کشیدگی آئی۔ اور سوویت یونین نے کئی مرتبہ پاکستان کی خود مختاری کے خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستانی علاقوں پر فضائی اور زمینی حملے بھی کیے۔

سوویت افواج کے انخلاء کے بعد افغانستان سیاسی بحران کا شکار ہوا اور افغان مہاجرین کا پاکستان سے واپس افغانستان جانا مشکل ہو گیا۔ اس لیے پاکستان نے کوششیں کی کہ سیاسی بحران کو ختم کیا جائے سوویت یونین کی افواج کے انخلاء کے ساتھ ہی امریکہ کے افغانستان میں مفادات ختم ہوئے اور اس نے پاکستان کو امداد دینے کی بجائے اس کے جوہری پروگرام کے پروگرام پر اکتوبر1990 میں اقتصادی اور دفاعی پابندیاں لگائی۔ جس نے نہ صرف افغانستان میں پاکستان کی امن و امان کی بحالی کیلئے پاکستان کی کوششیوں میں رکاوٹ پیدا کی بلکہ پاکستان کی اقتصادیات اور دفاعی صلاحیتوں کو بھی کافی نقصان پہنچایا۔[۱۵]

چھٹا دور:۱۹۹۰ء-۲۰۰۱ء سرد جنگ کے بعد کا دور

1990 کے عشرے میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کو کئی اہم مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

جس میں سے امریکہ کے ساتھ بگڑتے تعلقات، مسئلہ کشمیر پر پاک بھارت کشیدگی، افغانستان میں سیاسی بحران اور پاکستان کا جوہری پروگرام وغیرہ شامل ہیں۔

پاک امریکہ تعلقات

جنیوہ معاہدے کے بعد افغانستان سے سوویت افواج کا انخلاء، سوویت یونین کا ٹکڑے ہونا اور سرد جنگ کا اختتام ایسے واقعات تھے جس سے بین الاقوامی سطح پر کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ امریکہ ایک سپر پاور کے طور پر نمودار ہوئی۔ کمیونزم کے پھیلنے کا خطرہ ٹل گیا۔ اس لیے نئے عالمی انتظام میں امریکہ نے جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے روک تھام، انسانی حقوق کی بالا دستی، جمہوری اقدار کے فروغ، مذہبی بنیاد پرستی سے نمٹنا اور اقتصادی ترقی اور بیرونی سرمایہ کاری جیسے عناصر کو اپنی خارجہ پالیسی کا اہم حصہ قرار دیا۔ امریکہ کی نظر میں پاکستان کی جغرافیائی اور دفاعی اہمیت خطے میں کم اور بھارت کی اہمیت بڑھ چکی تھی کیونکہ بھارت بیرونی سرمایہ کاری کیلئے ایک بڑی مارکیٹ کے طور پر ابھر کر سامنے آیا امریکہ بھارت کو چین کے مقابلے میں مضبوط کرنا چاہتا تھا۔

اسلئے اس دہائی میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات میں کشیدگی آئی جسکی اہم وجہ پاکستان کا جوہری پروگرام اور میزائل ٹیکنالوجی وغیرہ تھے۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی وجہ سے امریکہ نے پرسلر ترمیم کے تحت اسلام آباد پر اکتوبر1990 میں دفاعی اور اقتصادی پابندیاں لگائی اور پاکستان پر فوجی اور اقتصادی امداد بند کر دی۔ جب پاکستان نے بھارت کو جواب دیتے ہوئی مئی 1998میں ایٹمی تجربات کیے تو امریکہ نے ان پابندیوں میں اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ پاکستان اور چین کے جوہری اور میزائل تعاون کی وجہ سے بھی کئی مرتبہ امریکہ نے پاکستان پر پابندیاں لگائیں۔

امریکہ کی دفاعی اور اقتصادی پابندیوں سے پاکستان کو کافی نقصان ہوا۔ پاکستان کے اندر رہنے والے لاکھوں افغان مہاجرین معیشت پر ایک بوجھ بن گئے اور دوسری طرف افغانستان کا سیاسی بحران بھی طویل ہوتا گیا۔ امریکہ نے افغانستان کے سیاسی بحران کے حل

میں بھی پاکستان کی کوئی مدد نہیں کی۔ بلکہ پاکستان کو تنہا چھوڑ دیا۔ غیر ملکی مجاہدین جو پاکستان کے قبائلی علاقوں میں رہ رہے تھے۔ جن کو امریکہ نے افغان جنگ کیلئے بلایا تھا ان کی واپسی کا کوئی بھی بندوبست نہیں کیا جو بعد میں پاکستان کی سالمیت کے لیے خطرہ ثابت ہوئے۔

دوسری جانب امریکہ نے بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کئے اور کشمیری حریت پسند تحریک کی اخلاقی و سفارتی مدد کرنے سے پاکستان کو روکنے کی کوششیں بھی کی اور ساتھ ساتھ پاکستان کو F-16طیارے دینے سے انکار کیا جس کی رقم پاکستان امریکہ کو دے چکا تھا۔ امریکہ نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی مخالفت کی اور مختلف طریقوں سے اسے نقصان پہنچانے کی کوششیں بھی کیں۔ اس لیے 1990 کے دہائی میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات انتہائی کشیدہ رہیں۔[۱۶]

پاک بھارت تعلقات

اس دور میں پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات مسئلہ کشمیر کی وجہ سے انتہائی خراب رہے۔ افغان جنگ کے بعد کئی مجاہدین نے بھارت کے غاصبانہ قبضے کے خلاف کشمیری خود ارادیت کا مطالبہ کرنے والی تنظیموں کی مدد کی۔ جس کی وجہ سے مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی نئی روح پھونک دی گئی۔ کشمیریوں کا بھارت کی حکمران کے خلاف مسلح جدوجہد میں پاکستان نے ان کی حمایت شروع کی۔ جو کسی بھی صورت بھارت کو قبول نہیں تھی۔ اس لیے بھارت نے کالے قوانین کو لاگو کرتے ہوئے کشمیری مزاحمتی تحریک کو دبانے کی کوششیں کی اور بے گناہ شہریوں کا قتل عام کیا۔ ساتھ ساتھ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی تحریک کو عالمی سطح پر دہشتگردی اور بنیاد پرستی کی لہر سے جوڑنے کی کوشش کی اور پاکستان پر ان کو اسلحہ فراہم کرنے کا الزام لگایا۔ پاکستان نے الزامات کے جواب دیتے ہوئے کہا کہ کشمیریوں کی جدوجہد ایک آزادی کی تحریک ہے اور پاکستان اس تنازعہ میں فریق کی حیثیت سے ان کی اخلاقی اور سیاسی حمایت کرتا رہے گا۔

دونوں ممالک کے درمیان اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ 1990 میں جنگی صورت حال پیدا ہوئی تاہم امریکہ اور دوسرے مغربی طاقتوں کی مداخلت سے جنگ پر قابو پا لیا گیا۔ 1999 میں کارگل سیکٹر پر دونوں ممالک کے درمیان جنگ ہوئی اور اس سے پہلے کہ حالات مزید خراب ہو جاتے امریکی دباؤ سے پاکستان نے اپنی افواج واپس بلائی۔ دونوں ملکوں کے درمیان تمام اختلافات بمعہ کشمیر کو حل کرنے کیلئے کئی مرتبہ مذاکرات بھی ہوئے لیکن ہمیشہ کی طرح ناکامی کے شکار رہے۔[۱۷]

پاکستان افغانستان تعلقات

روسی افواج کے انخلاء کے بعد افغانستان کی عبوری حکومت ملک کے اندر امن و امان لانے میں ناکام رہی اور اقتدار کی خاطر مختلف گروہوں کے درمیان خانہ جنگی نے افغانستان میں سیاسی بحران پیدا کیا حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے افغانستان میں طالبان تحریک نے 1994 میں جنم لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو روسی تسلط کے خلاف افغان جہاد میں مجاہدین کے ساتھ لڑے تھے۔ انہوں نے افغانستان میں اپنی حکومت، امارت اسلامیہ افغانستان کے نام سے1996 میں‌قائم کی جو2001 تک اقتدار میں رہی۔

پاکستان نے پہلے افغانستان کی عبوری حکومت کو مستحکم کرنے کی کوششیں کی اور مختلف گروہوں میں اتفاق رائے پیدا کرنے کیلئے اپنا کردار ادا کیا لیکن ناکام رہا۔ جب افغانستان میں طالبان کی حکومت بنی تو پاکستان نے اسکو تسلیم کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی کہ طالبان افغانستان میں امن و امان لائیں گے، پاکستان کے حامی ہونگے، پاکستان سے افغان مہاجرین واپس چلے جائیں گے اور پاکستان افغانستان کے راستے وسطی ایشیاء کے ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کریگا۔ تاہم طالبان کا سخت شرعی نظام مغربی دنیا کو پسند نہیں تھا اور خاص طور پر عورتوں کے ساتھ سلوک اور اسامہ بن لادن کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے طالبان حکومت امریکہ اور مغربی ممالک کے اعتراضات کا نشانہ بنا۔ بین الاقوامی سطح پر طالبان حکومت پر بڑھتی ہوئی تنقید کے باوجود پاکستان نے ان کی حمایت سیاسی اور سفارتی

طور پر جاری رکھا اور اقوام متحدہ میں افغانستان کی رکنیت کی وکالت کی۔2000-2001 میں پاکستان نے کوششیں کی کہ طالبان کی سماجی اور ثقافتی پالیسیوں کو معتدل کرے۔ طالبان حکومت کے ساتھ وابستگی اور ان کی مدد کرنے سے بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی ساکھ متاثر ہوئی۔ پاکستان کے ایران کے ساتھ تعلقات خراب ہوئے۔ وسط ایشیاء ریاستوں کے ساتھ با معنی اقتصادی اور تکنیکی تعلقات استوار کرنے کی پاکستانی کوششیں بھی ناکام رہی۔[۱۸]

ساتواں دور:2001-2016دہشتگردی کے خلاف جنگ اور پاکستان کی خارجہ پالیسی

۱۱ ستمبر2001 کوعسکریت پسندوں نے امریکہ پر حملے کیے اور اس کے دفاعی اور معاشی مراکز کو نشانہ بنایا۔ جس سے امریکہ کو کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔ ان حملوں کی مذمت بین الاقوامی سطح پر ہوئی۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بھی ان حملوں کی مذمت کی اور اپنے اراکین پر زور دیا کہ انسداد دہشتگردی کی عالمی کوششوں میں امریکہ کا ساتھ دے۔ امریکہ نے ان حملوں کا ذمہ دار افغانستان میں مقیم اُسامہ بن لادن اور اُسکی تنظیم القاعدہ کو قرار دیا اور ساتھ ساتھ طالبان حکومت کو بن لادن کو پناہ اور مدد دینے پر یکساں ذمہ دار ٹھہرایا۔ القاعدہ اور طالبان کو اپنا ہدف ٹھہراتے ہوئے امریکہ نے دہشتگردی کے خلاف جنگ کی شروعات کی اور مغربی ممالک کے ساتھ کئی ایشیائی ممالک نے ان کا ساتھ دینے کا اعادہ کیا۔

پاکستان امریکہ تعلقات

دہشتگردی کے خلاف اس جنگ میں پاکستان کا شامل ہونا امریکہ کیلئے انتہائی ضروری تھا کیونکہ پاکستان ان تین ممالک میں سے شامل تھا جنہوں نے افغانستان میں طالبان حکومت کو نہ صرف تسلیم کیا تھا بلکہ اس کے ساتھ نزدیک روابط بھی برقرار رکھے۔ پاکستان کی افغانستان کے ساتھ مشترکہ سرحد، امریکہ کی کسی بھی فوجی کاروائی کیلئے اہمیت رکھتی تھی۔ اس لیے امریکہ نے پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ دہشتگردی کے خلاف اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے اور بالآخر مشرف حکومت کو اپنی حمایت کرنے پر مجبور کیا۔

مشرف حکومت نے اپنے علاقائی تحفظ، جوہری اور میزائل پروگرام کے تحفظ اور

اقتصادی ترقی کو مد نظر رکھتے ہوئے امریکہ کا ساتھ دیا۔ مشرف حکومت نے طالبان پالیسی پر یو ٹرن لیتے ہوئے طالبان حکومت کے ساتھ تعلقات ختم کیے۔ امریکہ اور نیٹو افواج کے افغانستان پر فوجی کاروائیوں کیلئے پاکستان نے بحری فضائی اور زمینی حدود فراہم کیں۔ ساتھ ساتھ سازوسامان کی فراہمی کو یقینی بنایا اور خفیہ اداروں کی حمایت کی اور اپنی افواج کو افغانستان سرحد پر تعینات کیا اور تقریباً 700 کے قریب دہشتگردوں کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا۔ دہشتگردوں اور عسکریت پسندوں کے خلاف پاکستان نے فاٹا میں کئی فوجی کاروائیاں کیں اور اسطرح دہشتگردی کے خلاف جنگ میں پاکستان نے صف اول کی ریاست کے طور پر بہت اہم کردار ادا کیا۔

پاکستان کا دہشتگردی کے خلاف جنگ میں اہم کردار ادا کرنے پر امریکہ نے پاکستان کو خراج تحسین پیش کیا۔ پاکستان کے اوپر لگائے گئے سارے معاشی اور دفاعی پابندیاں ہٹائی اور مالی اور فوجی امداد فراہم کی۔ امریکی دباؤ کے تحت بھارت نے پاکستان کے ساتھ تمام مسائل کے حل کیلئے مذاکرات بھی شروع کئے۔ اس دور میں پاکستان اور امریکہ کے تعلقات بہت خوشگوار رہے۔ تاہم دہشتگردی کے خلاف اس جنگ کے اثرات پاکستان پر انتہائی بُرے پڑے اور اس کو سیاسی، سماجی، اقتصادی اور فوجی سطح پر کافی نقصان پہنچا۔ در حقیقت دہشتگردی کے خلاف جنگ میں پاکستان سے زیادہ کوئی اور ملک متاثر نہیں ہوا۔ پاکستان کو کئی اندرونی اور بیرونی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی خارجہ پالیسی سنگین طور پر متاثر ہوئی پاکستان کو اپنی افغان پالیسی پر نظر ثانی کرنی پڑی اور کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کے حمایت کرتے ہوئے پاکستان کو سفارتی طور پر کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

پاکستان میں بنیاد پرستی اور مذہبی انتہا پسندی عروج پر پہنچی جسکی وجہ سے امریکہ سمیت کئی طاقتوں نے پاکستان کے بارے میں سوچ و بچار شروع کی۔

دہشتگردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے جانی مالی اور دفاعی نقصان کے باوجود امریکہ پاکستان کے کردار پر شک کرتا رہا۔ جسکی وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان بداعتمادی کی فضا پیدا ہوگئی۔ امریکہ نے پاکستان پر شک کیا کہ پاکستان دہشتگردی کے خلاف جنگ میں اسکے ساتھ ہے یا کہ ڈبل گیم کھیل رہا ہے۔ نیٹو امریکی حکام نے پاکستان پر الزام لگایا

کہ پاکستان کے اندر دہشتگردوں کے محفوظ پناہ گاہیں موجود ہیں اور پاکستان کے خفیہ ادارے عسکریت پسندوں کی مدد کر رہے ہیں البتہ پاکستان نے ان الزامات کی تردید کی۔

پاکستان افغان پالیسی

افغانستان سے روسی افواج کے انخلاء کے بعد پاکستان نے افغانستان میں سیاسی بحران کو ختم کرنے کیلئے اقتدار کے دعوے دار مختلف گروہوں کے درمیان اتفاق رائے کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ تا کہ افغانستان میں پاکستان کی حامی حکومت بنے اور اپنی مغربی سرحد کو محفوظ کرے۔ اسی طرح 1996 میں پاکستان کے تعاون سے افغانستان میں طالبان کی حکومت بنی۔ اسلام آباد نے نہ صرف اس حکومت کو تسلیم کیا بلکہ بین الاقوامی سطح پر اسکی حمایت اور پرچار کیا کیونکہ طالبان اور حکومت پاکستان کے ساتھ تعلق دوستانہ رہا اس طرح پاکستان کو افغانستان سے ممکنہ مفادات کی حصولی بھی نظر آنے لگی افغان مہاجرین کی وطن واپسی، ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ حل کرنا، وسط ایشیاء ممالک کی منڈیوں تک رسائی اور بھارت کے خلاف دفاعی حکمت عملی کو فروغ دینا شامل تھے۔

افغانستان کے اندر شمالی اتحاد نے طالبان حکومت کی مخالفت کی اور بھارت، ایران، روس اور امریکہ نے بھی اسی مخالفت میں شمالی اتحاد کا ساتھ دیا۔

طالبان کا اسامہ بن لادن کے ساتھ نزدیکی روابط تھے جو امریکہ کو گوارہ نہیں تھا اس لیے امریکہ نے شمالی اتحاد کے ساتھ روابط رکھے تا کہ وہ اسامہ بن لادن کی تلاش میں مدد دے۔ 9/11 کے بعد جب طالبان کی حکومت ختم ہوئی تو امریکہ نے پاکستانی خواہش کے برعکس افغانستان میں شمالی اتحادیوں پر مشتمل حکومت بنائی جو کہ حقیقت میں پاکستان کے لیے مسائل میں اضافہ اور افغانستان میں عدم استحکام کا باعث بنی۔

تاہم پاکستان نے کرزئی حکومت کی حمایت کی اور افغانستان کی تعمیر نو میں مالی امداد فراہم کی اور ساتھ ساتھ لاکھوں کی تعداد میں افغان مہاجرین کی میزبانی بھی کی۔ پاکستان کی طرف سے ان دوستانہ کاموں کے باوجود افغانستان کے اعلیٰ حکام نے پاکستان کی طرف سرد مہری کا برتاؤ برقراررکھا۔ 2003 میں افغان مظاہرین نے پاکستانی سفارتخانے پر حملہ کیا

اور پاکستان کے ساتھ سرحد پر افغانی سکیورٹی اہلکاروں نے مسائل پیدا کیے جسکی وجہ سے مقامی سطح پر جھڑپیں ہوئیں۔

صدر کرزئی سمیت اس کے کابینہ نے کئی مرتبہ پاکستان پر الزامات لگائے کہ پاکستان طالبان کی مدد کر رہا ہے تا کہ اسکی حکومت کو کمزور کریں ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کے اندر عسکریت پسندوں کو ترتیب دی جاتی ہے تاہم پاکستان نے ان الزامات کی تردید اور مذمت کی۔

کرزئی انتظامیہ کے ان الزامات نے نہ صرف پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعلقات میں کشیدگی پیدا کی بلکہ دہشتگردی کے خلاف جنگ میں پاکستانی کردار پر امریکہ کے شکوک و شبہات میں اضافہ کیا۔ اسکے علاوہ افغانستان اور وسط ایشیاء میں بڑھتا ہوا بھارتی اثر و رسوخ بھی پاکستان کیلیئے ایک سنگین خطرہ رہا ایک مصنف لکھتا ہے کہ ہم افغانستان میں اپنے اثاثوں کو کھو چکے ہیں اور اب ہم جغرافیائی و سیاسی کھیل میں الگ تھلگ کھڑے ہیں۔ افغانستان کے اندر دشمن ممالک کے خفیہ ادارے موجود ہیں جو کہ پاکستان کی سالمیت کیلیئے خطرناک صورتحال ہے۔[۲۰]

پاک-بھارت تعلقات اور مسئلہ کشمیر

بھارت نے جموں و کشمیر میں اکتوبر2001ء کو اور دہلی میں دسمبر2001ء کو ہونے والے واقعات کو ریاستی دہشت گردی قرار دیتے ہوئے اپنی فوج کو پاکستانی سرحد پر چوکس کیا اور جنوبی ایشیاء کو جوہری تصادم کے دہانے پر دھکیل دیا۔ بھارتی حکومت اور میڈیا نے پاکستان کے خلاف ایک منظّم پروپیگنڈا شروع کیا کہ پاکستان کا القاعدہ اور دہشتگرد تنظیموں کے ساتھ خفیہ روابط ہیں۔ تا کہ بین الاقوامی برادری کو قائل کرے کہ پاکستان کو دہشتگرد ملک قرار دے اور اسکو علاقائی صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے کشمیری حریت پسند آزادی کی تحریک کو دہشتگرد تحریک قرار دیا۔ اور امریکی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی کہ مشرف حکومت کو کشمیر پالیسی میں تبدیلی پر مجبور کرے۔ بھارت اس مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہا۔ امریکہ نے لشکر طیبہ اور جیش محمدی کو دہشتگرد تنظیمیں قرار دیا امریکی اور بھارتی سفارتی کے دباؤ کے تحت مشرف حکومت نے لشکر طیبہ اور جیش محمدی پر

پابندی لگائی تحریک جعفریہ اور سپہ صحابہ کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی جائے گی۔ عسکریت پسندوں کی کافی تعداد کو گرفتار کیا اور جہادی تنظیموں کے بینک اکاؤنٹس منجمد کر دیئے۔

مشرف حکومت کا جہادی تنظیموں کے اس عمل کو نشانہ بنانے کے اس عمل کو پاکستانی سیاستدانوں، ماہرین اور عوام نے منفی قرار دیا اور اسے کشمیر پر ایک تبدیلی اور یو ٹرن سمجھا گیا چونکہ جغرافیائی اور سیاسی تناظر میں کشمیر پاکستان کیلئے انتہائی اہم رہا ہے تاہم دہشتگردی کے خلاف جنگ نے مشرف حکومت کو کشمیر پر اصولی موقف سے ہٹایا۔

2002 میں امریکہ اور بین الاقوامی ثالثی کے تعاون سے پاکستان اور بھارت نے اپنی اپنی افواج سرحدوں سے واپس بلائی اور اسطرح ایک جوہری جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔ باہمی مسائل کو جامع امن مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کیلئے مشرف اور واجپائی کے درمیان2004 میں اتفاق رائے پیدا ہوا جسکی وجہ سے مذاکرات کا ایک سلسلہ دور شروع ہوا۔ اس دوران دونوں ممالک کے درمیان تعلقات میں بہتری آئی۔ تاہم یہ خوشگوار تعلقات دیر پا ثابت نہیں ہوئے اور2007 میں سمجھوتہ ایکسپریس اور2008 میں بمبئی دھماکوں نے ایک مرتبہ پھر پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں کشیدگی پیدا کی۔ جسکی وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان مذاکرات کو دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ [۲۱]

چین کے ساتھ تعلقات

دہشتگردی کے خلاف جنگ میں چین اور پاکستان نے مختلف وجوہات اور محرکات کے بناء پر مختلف طریقوں سے امریکہ کے ساتھ اپنی حمایت کا اظہار کیا۔ چین اپنی نئ پالیسی کو علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کی روشنی میں وضع کرتی رہی جبکہ پاکستان کے پاس امریکہ کا ساتھ دینے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ جنگ میں پاکستان کا امریکہ کے ساتھ تعاون پر چین کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر پاکستان میں امریکی افواج کی موجودگی چین کیلئے لمحہ فکریہ رہا۔ تاہم چین نے پاکستان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسکے ساتھ سمجھوتہ کیا اور اسطرح سے ان دونوں ممالک کے تعلقات پر کوئی منفی اثر نہ پڑا۔ پاکستان سنکیانک میں علیحدگی پسند تحریک کو کنٹرول کرنے میں چین کیلئے بہت مفید ثابت

رہا۔2003 میں پاکستان نے ترکستان تحریک کے رہنما کو مارا اور اگست 2004 میں پاکستان اور چینی فوجیوں نے سنکیانگ صوبے میں انسداد دہشتگردی کی مشترکہ مشق بھی کیں اس مشترکہ فوجی مشق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاکستانی حکومت چین کی اس خواہش کو قبول کرتی ہے کہ سنکیانگ میں علیحدگی پسند تحریک کو ختم کیا جائے جب مذہبی انتہا پسندوں نے چینی باشندوں کو اغوا کیا تو مشرف حکومت نے بہت جلد ان کے خلاف فوجی کارروائی کی لال مسجد کا واقعہ ان واقعات کی آخری کڑی تھی۔

پرویز مشرف کی حکومت ختم ہونے کے بعد پاکستان میں سیاسی حکومتیں بنی۔ جنہوں نے دہشتگردی کیخلاف جنگ میں امریکہ کی حمایت تو جاری رکھی لیکن ساتھ ساتھ چین کے ساتھ تعلقات کو بھی مستحکم کرنے کی کوششیں کی۔ دونوں ملکوں کے درمیان ثقافتی، سماجی، اقتصادی اور دفاعی تعاون برقرار رہا اور دونوں ممالک کے درمیان علاقائی اور بین الاقوامی امور پر خیالات میں تسلسل اور یکسانیت قائم رہی۔ اگر امریکہ بھارت کو اقتصادی اور دفاعی حوالے سے مضبوط بنانے کی کوششیں کر رہی تھی تو چین ہر شعبے میں پاکستان کی مدد کر رہا تھا۔ موجودہ دور میں دونوں ممالک کے درمیان بیلن ڈالرز کے ترقیاتی منصوبوں پر کام جاری ہے جس میں سے سب سے اہم منصوبہ چین پاکستان اقتصادی راہداری کا منصوبہ ہے۔[۲۲] جس سے مستقبل میں اس علاقہ کی اقتصادی حالت بدل جائے گی۔

حوالہ جات

1. Government of Pakistan, *Foreign Office Year Book 2012-2013* (Islamabad: Ministry of Foreign Affairs, 2013), p. ix.
2. Pervaiz Iqbal Cheema, *Pakistan's Defence Policy 1947-58* (London: Macmillan Press, 1990), pp. 28-32.
3. Hasan-Askari Rizvi, "Pakistan's Foreign policy: An overview 1947-2004." *PILDAT Briefing Paper*. Lahore: Pakistan Institute of Legislative Development and Transparency, 2004, p. 11.
4. Rais Ahmad Khan, ed., *In Search of Peace and Security: Forty Years of Pakistan-United States Relations* (Karachi: Royal Book Company, 1990), p. 31.
5. S. M. Burke and Lawrence Ziring, *Pakistan Foreign Policy: An Historical*

Analysis (Karachi: Oxford University Press, 1994), pp. 164-170.

6. S. M. Burke and Lawrence Ziring, 201-218. For detail see Abdul Sattar, Pakistan Foreign Policy 1947-2005: A Concise History (Karachi: Oxford University Press, 2007), pp. 53-66.
7. Pervaiz Iqbal Cheema, pp. 155.
8. Mohammad Ayub Khan, Friends not Masters: A Political Autobiography (Islamabad: Mr. Books, 2006), pp. 164-166.
9. Hasan-Askari Rizvi, pp. 14-16.
10. Rias Ahmad Khan, pp. 43-45.
11. Hasan-Askari Rizvi, p. 17.
12. Omer Farooq Zain, Zufi Bhutto's Foreign Policy: Vocalization for self-reliance and vivification of integrity", Pakistan Journal of Social Sciences, vol. 32, no. 2 (2012), pp. 429-430.
13. Ibid, 131-133. Also see Abdul Sattar, pp. 145-149.
14. A. Z. Hilali, *US-Pakistan Relationship: Soviet Invasion of Afghanistan* (U.S.A.: Ashgate Publisher, 2005), pp. 118-130.
15. Hasan-Askari Rizvi, pp. 19-20.
16. Abdul Sattar, pp. 225-226. See also Tehmina Mahmood, "Pressler Amendment and Pakistan's Security Concerns", Pakistan Horizon, vol. 47, no. 4 (October 1994), pp. 101-105.
17. Pervaiz Iqbal Cheema, "Black laws for Kashmiris", The News, March 30, 2002.
18. Naseem Ahmed, "Pakistan Taliban Policy 1994-1999", The Dialogue vii, no. 1 (January-March 2002): pp. 82-95.
19. For detail see Fazal Rabbi, "U.S.-led War on Terrorism and its Repercussions for Pakistan," Pakistan Journal of History and Culture xxxiii, no. 2 (July-December 2012): pp. 71-90
20. Ibid, 81-82. See also Kamal Matinuddin, "Post 9/11 Afghanistan", South Asia Journal Issue 3 (January-March 2004), pp. 108.
21. Khurshid Mehmood Kasuri, "Pakistan's Foreign Policy", Pakistan Horizon vol. 58, no. 3 (July 2005), pp. 48. 50.
22. Rashid Ahmed Khan, "Pakistan and China: Cooperation in counter-terrorism", http://issi.org.pk/wp-content/uploads/2014/06/1379479213_96964375.pdf(accessed 25.3.2016).

☆☆☆